کتب پر تبصرہ

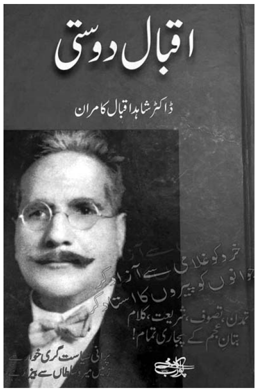

کتاب کا نام: اقبال دوستی
مصنف: ڈاکٹر شاہد اقبال کامران
ناشر: پورب اکادمی
شہر: اسلام آباد
سال اشاعت: ۲۰۱۵ء (طبع دوم)
صفحات: ۲۵۶
تبصرہ نگار: **ڈاکٹر الطاف اللہ***

تصنیف ہذا ڈاکٹر شاہد اقبال کامران نے بڑے سلیقے اور جدید تحقیقی پیرائے کو مد نظر رکھ کر علامہ محمد اقبال کے خیالات، تصورات اور نظریات پر سیر حاصل بحث قارئین کرام، طلباء، محققین اور اساتذہ کرام کی نذر کی ہے۔ اقبال زمانۂ حاضر کے ایک بڑے شاعر اور فلسفی تھے جنہوں نے فلسفہ خودی کی تشریح کی، اتحادِ عالم اسلام پر زور دیا، نسل و رنگ پر مبنی نظام کے خلاف آواز بلند کی اور مساوات کا علم بلند کیا۔

ڈاکٹر شاہد اقبال اپنی تصنیف میں اقبال کی شخصیت، شاعری، نظریات و خدمات کو مختلف زاویوں سے دیکھتے ہیں۔ اقبال اردو و فارسی ادب کے چمن کا وہ مہکتا ہوا پھول ہے جس کی خوشبو نے ابھی تک پورے ماحول کو اپنے حصار میں لیا ہوا ہے۔ آپ نے اپنی گرمی گفتار، شاعری اور عملی زندگی کے ذریعے مسلمانوں کو شعور ذات بخشنے کی کوشش کی اور اپنی تصور خودی کی بدولت نوجوانوں کی زندگی میں ہلچل پیدا کر کے ان کی لغت سے مایوسی کا لفظ مٹا دیا اور ان کو آگے بڑھنے کی ترغیب دی۔

موجودہ تصنیف دس ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلے باب میں ڈاکٹر شاہد نے اقبال کے

---

* سینئر ریسرچ فیلو، قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت، مرکزِ فضیلت، قائداعظم یونیورسٹی، اسلام آباد۔

تصور اسلامی جمہوری ریاست اور اجتہاد کو بڑی خوبصورتی کے ساتھ پیش کیا ہے۔ اقبال اسلام کو مذہب کی روایتی تعریف سے ہٹ کر ایک ایسی تمدنی تحریک تصور کرتے ہیں جس کا بنیادی مقصد عالم انسانیت کی اجتماعی زندگی میں ایسا تدریجی انقلاب لانا ہے جو اس کے قومی اور نسلی نقطہ نظر کو یکسر بدل کر اس میں خالص انسانی ضمیر کی تخلیق کرے۔ کیونکہ اسلام بنی نوع انسان کو یہ درس دیتا ہے کہ دین نہ قومی ہے نہ نسلی ہے نہ ہی انفرادی بلکہ خالصتاً انسانی ہے اور اس کا اولین مقصد باوجود تمام فطری امتیازات کے عالم بشریت کو متحدو منظّم کرنا ہے۔ اقبال اسلام کو ایک آفاقی مذہب کے تناظر میں دیکھتا ہے اور اس کو عصر حاضر اور بدلتے ہوئے حالات کے ساتھ موافق بنانے کیلئے اجتہاد کی اہمیت پر زور دیتا ہے۔

دوسرا باب علامہ اقبالؒ کے تصوف کے حوالے سے نظریات کو روشناس کرتا ہے۔ تزکیہ نفس اور ذات باری تعالیٰ کے ساتھ ربط وتعلق جوڑنے کیلئے تصوف انسان کو وہ سیڑھی مہیا کرتا ہے جس کے طفیل وہ اپنے رب سے ابدی رشتہ قائم کر کے اس کی خوشنودی حاصل کرتا ہے اور یہ سلسلہ تا حیات جاری و ساری رہتا ہے۔ اگرچہ اس باطنی تجربے اور روحانی عمل کی توجیہہ نہ تو ممکن ہوتی ہے اور نہ ہی صوفی کا مقصود۔ تاہم عموی طور پر ذات باری تعالی کے بارے میں ایک صوفی اپنے انفرادی روحانی عمل سے جو یقین اور استقلال حاصل کرتا ہے وہ اسی یقین اور استقلال کی مقدار و ماہئیت کے مطابق اپنے آقا سے رشتے، درجے اور کردار کو متعین کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ علامہ تصوف کے حامی اور داعی ہیں، اس لیے وہ اس کا ایک مکمل نظام عمل یعنی فلسفہ خودی و بے خودی مربوط صورت میں پیش کرتے ہیں۔

تیسرا باب خطبہ آلہ آباد کے جملہ مباحث کے تجزیے پر مرکوز ہے۔ برصغیر پاک و ہند کے حالات و واقعات پر گہری نظر ڈالنے کے بعد اقبال نے واضح کیا کہ ہم بحیثیت قوم خیالات و جذبات کے ایک ایسے زندان میں محبوس ہیں جو گزشتہ ادوار میں ہم نے اپنے گرد خود تعمیر کر رکھا ہے۔ ہم اپنی نوجوان نسل کو معاشی، سیاسی اور مذہبی بحرانوں کا مقابلہ کرنے کے قابل نہ بنا سکے جو عصر حاضر میں آنے والے ہیں۔ اس لیے ضرورت ہے کہ ساری قوم کی موجودہ ذہنیت کو یکسر بدل دیا جائے تا کہ وہ پھر نئی آرزوؤں، نئی تمناؤں اور نئے نصب العین کی امنگ محسوس کرنے لگے۔ اس سیاق و سباق کے ساتھ آپ نے ۱۹۳۰ء میں الہ آباد

کے مقام پر آل انڈیا مسلم لیگ کی اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے کہا کہ ہندوستان کے شمال مغرب میں ایک مسلم اکثریتی ریاست کے قیام اور اس کی خودمختاری مسلمانانِ ہند کیلئے آخری چناؤ ہو گا۔

کتاب کے چوتھے باب میں مصنف عالم اسلام کے سیاسی اتحاد کے بارے میں اقبال کے تصورات اور نظریات کو بخوبی بیان کرتا ہے۔ اقبال کا رجحان اسلام کو ایک روایتی مذہب خیال کرنے کی طرف نہیں رہا۔ وہ اسلام کو ایک ایسا تجربہ قرار دیتے ہیں جو عالم انسانیت کو رنگ، نسل و زبان اور علاقے جیسی مادی قیود سے آزاد کر کے یکجا کرنے کی خاطر کیا گیا۔ آپ کے نزدیک نسلی و وطنی قومیت کا تصور، جس نے انسانی مطمحِ نظر کو محدود اور مجروح کر دیا تھا اور زبردستی و زر طلبی کا جنون، جس نے ایک سیاسی عقیدے کی صورت میں اپنی غارتگری کا آغاز کر دیا تھا اور جسے معروف اصطلاح میں سرمایہ دارانہ نظام کہتے ہیں، دو ایسے پہلو تھے جن سے امت مسلمہ کو خطرات لاحق تھے۔ اقبال اس نسلی اور وطنی قومیت کو تہذیب نو کا تراشیدہ بت قرار دیتے ہیں۔ بقول اقبال:

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے، وہ مذہب کا کفن ہے

پانچواں باب اقبال کا دانش افرنگ سے تعلق، ترک فرنگ کی دعوت اور اشتراکیت کی تحریک جیسے دلچسپ اور معنی خیز تناظر پر محیط ہے۔ اقبال مغربی علوم و فنون اور خصوصاً طبعی علوم میں ان کی حیرت انگیز ترقی کو سراہتے ہیں۔ وہ مغرب کی علمی ترقی کو قرون وسطی کی مسلم دنیا کی علمی ترقی کا تسلسل قرار دے کر اپنے لوگوں کو اس تسلسل کو برقرار رکھنے میں اپنا کردار ادا کرنے پر آمادہ کرتے نظر آتے ہیں۔ آپ کا رجحان یہ معلوم ہوتا ہے کہ طبعی علوم میں مغرب کی حیرت انگیز پیش رفت کو اسلام سے متصل اور مطابق اور خود مسلمانوں کے علمی اصول کا تسلسل قرار دے کر مسلمانوں کو جدید علوم کی طرف مائل کرنا ہے۔ اقبال اشتراکیت اور سرمایہ دارانہ نظام پر مربوط معاشرے کو رد کرتا ہے اور اسلام کی معاشی، سماجی اور سیاسی نظام کو پسند کرتا ہے۔

چھٹے باب کو بنظر غائر جانچنے کے بعد یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ اقبال کی ذہنی

اختراع اور سوچ و بچار کا بنیادی مرکز بنی نوع انسان ہے۔ آپ کے فلسفہ کے اساسی عناصر یعنی خودی اور بے خودی انسان کی حیثیت، دائرہ کار، اختیار اور علم، عمل اور ارادے کی حدود اور ان کے ہمہ پہلو نتائج سے متعلق نوع بہ نوع مباحث کی طرف اشارے کرتے ہیں۔ عظمت انسانی پر اقبال کا اعتقاد اس قدر پختہ ہے کہ وہ قدیم قصص میں بیان کردہ انسان کے کردار سے کہ جس کے مطابق انسان کو ماحول کے سامنے بے بس اور اسی لیے اس کو مجبور، دکھی اور ناکافی صلاحیت والا بتایا جاتا تھا، مطمئن نہیں ہوتے۔ وہ کسی ایسی بات پر یقین کرنے کو تیار نہیں ہوتے جس سے انسان کی کسی بھی سطح پر تذلیل کا پہلو نکلتا ہو۔ کیونکہ قائم کائنات میں ذات باری تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات کا خطاب دیا ہے اور اقبال اسی تناظر میں حضرت انسان کو دیکھتا ہے۔

ساتواں باب اسلامی ثقافت کے داخلی محرکات کے مطالعہ پر مبنی ہے۔ یہ امر کسی سے پوشیدہ نہیں کہ اقبال مابعد الطبیعاتی علم کو بھی تجربے کے ذریعے ثابت کرنے کی سعی کرتے ہیں۔ وہ ''تجربے'' کی معنوی وسعت کو روحانی تجربے تک پھیلاتے ہوئے اور روحانی تجربے کی واقعیت کو تسلیم کرتے ہوئے ان سے حاصل ہونے والے نتائج کو بھی علم کا ایک ماخذ قرار دیتے ہیں۔ اقبال اس بات کی تردید کرتے ہیں کہ اسلامی تہذیب و ثقافت کی ہئیت اور وضع قطع یونانی فلسفے نے متعین کی۔ آپ کے مطابق اسلامی ثقافت میں کارفرما روح ہی اپنے مزاج، اپنے طریق کار اور ہئیت کے اعتبار سے یونانی فلسفے سے متصادم ہے۔ وہ اپنے خطبے میں واضح کرتے ہیں کہ جدید سائنس، جس کی بنیاد تجربے اور مشاہدے پر استوار ہے، کے بانی مسلمان ہیں۔

آٹھویں باب میں مصنف اقبال کے ابتدائی موضوعات سخن اور قومی زندگی کے اہم گوشوں پر روشنی ڈالتا ہے۔ اقبال اپنی ملت کے معاشی اور عمرانی مسائل کی طرف شروع ہی سے متوجہ تھے۔ ان کی پختہ فکری اور ذہنی اختراع کا سراغ ان کی ابتدائی تحریروں سے بھی لگایا جا سکتا ہے۔ آپ نے اپنے فکری اظہار کے لیے صرف شاعری ہی کو وسیلہ نہیں بنایا بلکہ ان کے نثری آثار بھی ہماری رہنمائی کرتے ہیں۔ جہاں آپ کا شعر فکری ارتقاء کی

ابتدائی منزلوں کو طے کرتا ہوا تیزی سے آگے بڑھتا ہے وہی آپ کے معاشی و عمرانی افکار ایک واضح صورت اختیار کرتے ہیں۔ کتاب کے اس گوشے میں اقبال کے مختلف تصانیف، شعری مجموعوں، نظموں اور مضمون نویسی جیسے اہم موضوعات پر ڈاکٹر شاہد اپنی رائے جدید تحقیق کے اصولوں کو سامنے رکھ کر قارئین کرام، طلباء، اساتذہ اور تحقیق کے میدان سے وابستہ لوگوں کی نذر کرتے ہیں۔

نویں باب میں مصنف اقبال کی اسرار خودی کے حوالے سے ابتدائی مباحث کا باریک بنی سے جائزہ لیتا ہے۔ اقبال کا سیاسی فلسفہ ان کی معروف مثنوی ''اسرار خودی'' میں ملتا ہے۔ اس اساسی فلسفے کی تکمیل مثنوی اسرار خودی کے تین سال بعد شائع ہونے والی مثنوی رموز بے خودی میں ہوتی ہے۔ آپ کے دیگر مجموعہ ہائے کلام، مقالات و مضامین و مکتوبات اور خطبات معنوی اعتبار سے اسی فلسفے کی توضیح و تشریح کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ مثنوی کی منظر عام پر آنے کے بعد فوری ردعمل کے طور پر جس طرح کے بحث و مباحث کا آغاز ہوا، اقبال نہ تو ان کی توقع کرتے تھے اور نہ ہی ان مباحث کا مثنوی کے اصل مدعا و مقصد سے کوئی براہ راست تعلق تھا۔ تاہم اقبال نے مثنوی پر اعتراضات کا تفصیلی جواب اپنے چند مضامین میں دیا۔ یہ مضامین اخبار ''وکیل''، ''امرتسر'' اور دوسرے اخباروں میں شائع ہوئے۔

ڈاکٹر شاہد اقبال کامران ''اقبال دوستی'' کے آخری باب میں اقبال کے فارسی اور اردو کلام میں حواشی و تصریحات کا جائزہ لیتے ہیں۔ اقبال نے اپنے فارسی اور اردو کلام میں حواشی و تصریحات کا خصوصی اہتمام کیا ہے۔ آپ نے جابجا مشکل الفاظ و تلمیحات کے معانی بھی رقم کیے ہیں۔ اس سارے سلسلے کی تہہ میں یہ شعور کارفرما تھا کہ اپنے موقف کے وسیع تر ابلاغ کو ممکن بنایا جائے اور مجموعی طور پر وہ اپنی اس کاوش میں بڑی حد تک کامیاب ہوئے ہیں۔ اقبال کے کلام میں ہمیں گاہے گاہے حوالہ جات، حواشی، تصریحات، تشریحات اور چھوٹے بڑے وضاحتی حاشیے دیکھنے کو ملتے ہیں اور یہی طریق کار آج کل کے نئے دور میں جدید تحقیق کا حصہ ہے۔

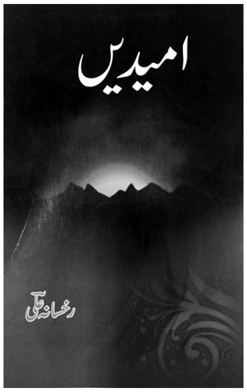

کتاب کا نام: امیدیں
مصنفہ: رخسانہ علی
ناشر: سنگر پبلی کیشنز
شہر: مردان (خیبرپختونخوا)
سال اشاعت: ۲۰۱۲
صفحات: ۱۱۸
قیمت: ۱۵۰ روپے
تبصرہ نگار: **ڈاکٹر الطاف اللہ***

موجودہ قبائلی اضلاع میں سے ضلع کرم کے دل یعنی پاڑا چنار کی حسین وادی سے تعلق رکھنے والی شخصیت رخسانہ علی نے جب قلم اٹھایا تو قدیم روایات میں جکڑے ہوئے معاشرے کے لیے آپ کی یہ کاوش ایک نئی طلوع صبح ثابت ہوئی، جس نے پرانے فرسودہ اور تنگ نظر روایات، رسم و رواج اور پدری نظام کے جامد جوہڑ کی زنجیروں کو توڑ ڈالا اور اپنی تصنیف امیدیں رقم کی۔ یہ امر کسی سے پوشیدہ نہیں کہ پشتون معاشرے میں بالعموم اور قبائلی پشتون معاشرے میں بالخصوص کسی خاتون کا علم و ادب کے میدان میں ابھرنا اور اپنی ذہنی اختراع سے اپنے معاشرے اور گردونواح کے مسائل کو سمجھنا اور پھر ان مسائل کو پیار و محبت سے بھرے الفاظ میں رقم طراز کرنا اور ان کی نشاندہی کرنا ایک بہت بڑی کامیابی ہے۔

''امیدیں'' رخسانہ علی کا پہلا شعری مجموعہ ہے جس کو منظر عام پر لا کر سپین غر پشتو ادبی جرگہ پاڑا چنار نے ضلع کرم کے پرآشوب حالات میں لوگوں کو امن کا پیغام دیا۔ رخسانہ اپنے سماج اور گردو پیش پر کڑی نظر رکھتی ہیں اور اپنے لوگوں کی اجتماعی بے حسی اور خود انسان کے ہاتھوں انسان کی تذلیل کو اپنے شاعری کا محور بنا کر تنقید بھی کرتی ہے اور امن، محبت اور بھائی چارے کے جذبوں کو بھی پروان چڑھاتی ہے۔

شعری مجموعہ کا یہ حسین امتزاج ''حمد'' ذات باری تعالی سے شروع ہوتا ہے، جس

---

* سینئر ریسرچ فیلو، قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت، مرکزی فضیلت، قائداعظم یونیورسٹی، اسلام آباد۔

میں شاعرہ نے بڑی عاجزی اور انکساری سے اپنے پرورد گار کی بڑائی، شان و شوکت اور قدرت کو سراہتے ہوئے اپنے مالک کو لامتناہی اور لازوال روشنی اور اجالے کے ساتھ تعبیر کرتی ہیں۔اپنے رب سے التجا میں مصروف عمل شاعرہ کہتی ہیں کہ اے میرے پروردگار، میں تجھ سے ہی رزق مانگتی ہوں اور شفا کی طلب گار ہوں۔ تو احد بھی ہے اورصمد بھی ہے اور سوائے آپ کے کوئی اور عبادت کے لائق نہیں ہے۔تیری نعمتیں اور رحمتیں بے شمار ہیں۔اس محبت اور خاکساری کے ساتھ نظم ''دعا'' میں بھی اپنے رب سے دعا گو ہیں کہ ہمیں شیطان سے اپنی پناہ میں رکھنا اور راہ راست پر قائم و دائم رہنے کی درخواست رب کریم کے حضور گوش گزار کرتی ہیں۔

حمدو ثنا اور دعا کے بعد موجودہ شعری مجموعہ مختلف غزلوں ، آزاد نظموں، مصرعوں،قطعات، اور اشعار کا احاطہ کرتاہے۔راقم الحروف نے اپنی اس کاوش کی بدولت ماضی کی غلطیوں سے سبق حاصل کرنے پر زور دیا ہے اور ساتھ ساتھ نئی سحر کی آمد یعنی مستقبل کو سنوارنے کے لیے منصوبہ بندی اور سوچ بچار کی طرف اپنے معاشرے کو راغب کیاہے۔یقیناً جولوگ سوچتے ہیں، ادراک رکھتے ہیں اور آنکھ کھول کر چلتے ہیں وہ کبھی سیدھے راستے سے نہیں بھٹکتے اور اپنی راہ خودمتعین کر سکتے ہیں۔جیسا کہ اقبال نے کہا:

کھول آنکھ!زمین دیکھ، فلک دیکھ، فضا دیکھ
مشرق سے ابھرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھ

شاعرہ کی یہ ہمت اور جرات خراج تحسین کے قابل ہے کہ انہوں نے قبائلی اضلاع کے دورافتادہ علاقوں کی فرسودہ رسم و رواج کا جمود توڑ ڈالا ہے اور پشتون معاشرے میں رہتے ہوئے اپنے جذبات اور احساسات کو تجربے کے ایسے سانچے میں ڈھالا ہے کہ فن کی رنگینی اورفکر کی گہرائی ابھر کر سامنے آئی ہے۔ رخسانہ علی اس جلتی ہوئی شمع کی مانند ہے جو خود کو جلا کر راکھ کردینے کیلئے تیار، مگر اپنے اردگرد روشنی مہیا کرنے کی ازحد خواہشمند نظر آتی ہے۔

اردو زبان ہمارے ملک کے اکثر و بیشتر علاقوں میں آسانی سے سمجھی جاتی ہے۔یہ

زبان کئی اہم زبانوں کے سرچشموں سے سیراب اور مختلف تہذیبوں اور تمدنوں سے مستفید ہوئی ہے۔اس لیے اس زبان نے تمدن کی تمام ضروریات اور تمام زبانوں کی خصوصیات اپنے اندر جذب کر لی ہے۔برصغیر پاک و ہند میں صدیوں کے اختلاط سے مختلف تہذیبوں کے ملاپ اور آمیزش سے مستقل شکل کا جو آمیزہ تیار ہوا، وہ اردو زبان ہی ہے۔ تاہم ہمارے ملک کے کچھ گوشے اب بھی ایسے ہیں جہاں پر آج بھی اردو بولنا قابل فخر بات نہیں سمجھی جاتی۔ قبائلی ضلع کرم اور صدر حصہ پاڑا چنار بھی ان گوشوں میں شامل ہے۔جہاں پر اردو میں شعر و شاعری کے پودے کا جنم لینا تو دور کی بات ہے، اردو زبان میں بات چیت کرنے والے کو حیرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ شاعرہ کی یہ تخلیقی کوشش کبھی بھی رائیگاں نہیں جائے گی اور تاریخ میں ان کا نام لازوال حروف سے لکھا جائے گا۔

زبان و بیان اور اظہار پہ قدرت ہو تو ایسے شاعر کے لیے اپنا مختلف اور منفرد راستہ بنانا قدرے آسان ہوجاتا ہے۔زندگی اور سماجی رویوں کے بارے میں اگر شاعر کی سوچ و فکرواضح ہو تو شاعری اس شاعر کی پہچان بن کر ابھرتی ہے، اور دیگر لوگوں کو بھی اپنی گرفت میں لیتی ہے۔پاکستان کے قبائلی پٹی کی افق پر ابھرتا ہوا تارہ رخسانہ علی پشتون قبائلی معاشرے کی خاتون اول ہے۔آپ کی ''امیدیں'' نہ صرف قبائلی اضلاع کے لوگوں کے لیے انقلاب کی نئی راہیں ہموارکریگی، بلکہ وہ خود تاریخ کے اوراق میں اس فکری انقلاب کی سرخیل اور سپہ سالار ہوں گی۔آپ کے خیالات، جذبات اور احساسات جس کو آپ نے شاعری کی زبان میں رقم کر کے اپنے معاشرے کے سامنے پیش کئے ہیں، ان میں پیار و محبت، وابستگی، ہم آہنگی اور مل کر رہنے اور آگے بڑھنے کا درس گاہے گاہے ملتا ہے۔